OPEN ACCESS
Journal of Semitic Religions
ISSN (Print): 2958-7514
ISSN (Online): 2958-7522
https://jsrpk.com/index.php/Journal

دور حاضر میں دعوت دین کی ضرورت واہمیت اور ہماری ذمہ داریاں
قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

The Need and Importance of Da'wah and Preaching in Modern Times and our Responsibilities, An analytical study in the Light of Quran & Sunnah

Dr. Aman Ullah
Lecturer, Department of Islamiyat, University of Markran Panjgur, Baluchistan (amanamin400@gmail.com)

Dr. Muhammad Tayyab Khan
Lecturer, Department of Quran and Tafseer, Faculty of Arabic & Islamic Studies Allama Iqbal Open University, Islamabad. muhammad.tayyab1@aiou.edu.pk

Abstract

Allah sent Prophets (peace be upon them) to guide mankind, who worked hard day and night to convey the religion of Allah to his servants. Every prophet performed his duties with great wisdom. In the end, Khatamun Nabiyeen Muhammad (PBUH) came, and he performed the work of Da'wa with great effort and hard work which is unprecedented. In a short span of only 23 years, he spread the religion of Allah and created a group of companions who devoted their lives to the spread of the religion of Islam, and as a result, the religion has spread throughout the world today. In fact, the Messenger of Allah is the last prophet, no prophet will come after him, now the book of the Holy Qur'an and the entire life of the Holy Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) are in front of us as a model. And the task of propagating the religion of Islam is the responsibility of the Muslims of the whole world, which is our primary responsibility. The work of propagating Islam has continued throughout the ages, but it is as much needed in the current situation as it was in the past. But today it has become more than that. Therefore, it is necessary to consider the task of da'wah as one's responsibility and to intensify efforts for the reformation of the Ummah. In this article we will talk about our responsibilities along with explaining the need and importance of dawah work in the light of Quran and Sunnah.

Keywords: Da'wah, Ummah Muhammadiyah, Importance, Responsibilities, Modern era, Quran and Sunnah

CC BY

تمہید

اللہ تعالی نے پوری انسانیت کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ہر زمانے میں انبیاء کرام کا ایک طویل سلسلہ جاری رکھا جو آخر میں حضرت محمد ﷺ پر ختم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ پر اللہ نے نبیوں کا سلسلہ ختم فرمایا۔ پہلے انبیاء کی طرح آپ ﷺ کو جب نبوت ملی تو آپ ﷺ نے اسلام سے بے خبر اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے مشرکین مکہ کو اسلام کی طرف بلایا۔ آپ ﷺ کے بلاوے پر آہستہ آہستہ لوگ جہالت اور شرک کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس بات پر سرداران مکہ آگ بگولہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کو روکنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگے۔ مگر آپؐ کے عزم و استقلال کے سامنے سب کچھ بے سود رہا۔ آخر ایک دن بڑے بڑے سردار آپؐ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بے وقوف لوگوں کو ورغلا رہا ہے۔ اور نئے دین میں داخل کرا رہا ہے۔ اگر آپ کے بھتیجے کو مال چاہئے تو ہم بہت سارا مال جمع کر کے دیتے ہیں، اگر حسین عورت کی طلب ہو تو ہم مکہ میں سب سے زیادہ خوبصورت عورت آپ کو دینے کو تیار ہیں، اگر سرداری چاہئے تو ہم آپ کے بھتیجے کو مکے کا سردار بنا دیتے ہیں مگر جو کام یہ کر رہا ہے وہ چھوڑ دیں۔ یہ اس زمانے کی بہت بڑی پیش کش تھیں مگر آپؐ کو نہ تو ان چیزوں کی کوئی طلب تھی اور نہ ہی یہ چیزیں آپ کی زندگی کا مقصد۔ آپؐ نے اس کے جواب میں صاف صاف کہ دیا کہ اگر یہ لوگ آسمان سے سورج لا کر میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند لا کر میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تو بھی میں اس کام کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ لیکن جب انہی سرداران مکہ نے صلح حدیبیہ میں دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی رکھ دی کہ دس سال تک ہم اور آپ آپس میں کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ تو آپ ﷺ اس شرط کو ماننے کے لئے فورا تیار ہو گئے۔ باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی نہیں لکھا تھا مگر اس وقت آپ نے رسول اللہ " کے الفاظ مٹائے اور پھر یہ الفاظ لکھے:

" هذا ما قاضى محمد بن عبدالله" و سهيل بن عمرو اصلحا على وضع االحرب عن الناس عشر سنين ئاثمن فيه الناس و يكف بعضهم عن بعض "[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جب آپ کو دعوت والی محنت کو چھوڑنے کے لئے کہا تو آپ نے صاف صاف انکار کیا مگر جب ان لوگوں نے آپ کو دس سال تک آپس میں جنگ نہ کرنے اور تلوار رکھنے کے لئے کہا تو آپ ﷺ فورا تیار ہو گئے کیوں؟ یہ اس لئے کہ تلوار چلانا، لوگوں کو قتل کرنا، جنگ کرنا یہ آپ کی زندگی کا مقصد نہیں تھا البتہ دعوت و تبلیغ والی محنت آپ کی زندگی کا مقصد تھا اس لئے آپ نے تلوار رکھ کر جنگ

تو چھوڑ دی مگر دعوت والی مبارک محنت کو ایک منٹ کے لئے چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ انسان کا مقصد حیات اللہ جل شانہ نے اپنے مبارک کلام میں خود ہی بتا دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ)[2]

ترجمہ: انسانوں اور جنات کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔

مفسرین نے لیعبدون کا معنیٰ لیعرفون سے کیا ہے یعنی معرفت خداوندی۔ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو ہم جانتے ہیں اس کی عزت اور قدر و منزلت زیادہ کرتے ہیں۔ جس فرد کو ہم جانتے نہیں چاہے وہ شخص دنیا کے اعتبار سے بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔ اس کی قدر اتنی نہیں کرتے۔ اسی لئے علماء کرام اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر ہر انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں تب جا کر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے گا۔ اب یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ایک تو ہر ہر مسلمان کو اپنی ذات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے دوسرا یہ کہ اس مبارک دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے دین کی مبارک محنت (دعوت) سے جوڑ دیا ہے۔ اگر یہی محنت ہو گی تو دین لوگوں کی زندگیوں میں آئے گا ورنہ نہیں۔

"اللہ پاک نے اس مبارک دین متین کی دعوت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا۔ تمام پیغمبر اپنی دعوت میں ایک ہی منہج پر چلتے تھے۔ ان کی پکار ایک ہی تھی یعنی توحید۔ یہی وہ مقدس امانت ہے جسے اس گروہ نے مختلف زمانوں، مختلف مکانوں، مختلف فضاؤں اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والی انسانیت تک پہنچایا"[3]

دعوت کا کام اتنا عظیم کام ہے کہ اس کام تمام نبیوں سے اللہ جل شانہ نے خود ہی سرانجام دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" وَ اللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ-وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط[4]

ترجمہ: اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ اور ہدایت کرتا ہے اسے جسے چاہتا ہے۔ اپنے سیدھے راستے کی طرف۔

جو عظیم فریضہ خالق کائنات نے خود سرانجام دیا ہے اور پھر اس عظیم فریضے کو سرانجام دینے کے لئے اپنے محبوب ﷺ کی بعثت فرمائی ہے۔ وہ عظیم فریضہ اس امت (امت محمدیہ) کو بھی سونپ دیا ہے۔ کلام پاک میں آتا ہے کہ:

" قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ یم عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ)[5]

ترجمہ: (اے رسول) کہہ دیجئے کہ یہ ہے میرا راستہ اللہ کی طرف بلانا سمجھ بوجھ کر میرا بھی (یہ راستہ ہے اور) جس

نے میرا اتباع کیا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ترین نبی ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ اللہ کی طرف بلانا میری بھی ذمہ داری بنتی ہے اور جن جن لوگوں نے میری اتباع کی ہے ان کا بھی یہی کام ہے۔ یہ کام تو ساری امت کا ہو گیا ہے۔ کیونکہ ساری امت نے آپ کا کلمہ پڑھا ہے۔ چاہے عربی ہو، چاہے عجمی ہو، پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ ہو، عالم ہو، غیر عالم ہو، شہری ہو، دیہاتی ہو، بادشاہ ہو، گدا ہو، غریب ہو، امیر ہو، جس بھی ملک میں ہو، پروفیسر ہو، ٹیچر ہو، یا چرواہا ہو، سب کا یہ فرض بنتا ہے کہ اللہ پاک کے اس عظیم وظیفہ نجات میں اپنے اپنے حصے کا کردار ادا کریں۔ جو جتنا کر سکتا ہے وہ اتنا کرے۔ اس فرض منصبی کو انجام دینے کے لئے پورا علم ضروری نہیں ہے۔ جس کو حضور ﷺ کی مبارک زندگی کے بارے میں جتنا کچھ معلوم ہو، اس کو آگے نسلوں تک پہنچائے۔ امام الانبیاءؑ نے فرمایا:

"بلغو عنی و لوآیہ"[6]

"پہنچاؤ میری طرف سے اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کسی کو حضور ﷺ کی کوئی ایک بات بھی یاد ہو تو اس کو چاہئے کہ اس بات کو آگے لوگوں تک حکمت اور نرمی کے ساتھ نبیؐ کے دیگر امتیوں تک پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ مذکورہ بالا آیت میں اللہ عزوجل نے اپنے نبی کے واسطے سے ارشاد فرمایا ہے لیکن یہاں بغیر کسی نبی اور بغیر کسی واسطے کے براہ راست اس امت کو ارشاد فرمایا:

" كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ- وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْؕ-مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ "[7]

تم بہترین امت ہو تم کو لوگوں کے نفع کے لئے نکالے گئے ہو تم لوگوں میں بھلائیوں کو پھیلاتے ہو اور بُرائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

درجہ بالا آیت میں اس امت کی بہت اعلیٰ پیمانے پر تعریف کی گئی ہے۔ اور ایک زبردست بات یہ کہ صرف قرآن میں نہیں بلکہ اس اُمت کی خوبیاں اور صفات سابقہ کتب سماویہ (تورات، انجیل اور زبور) میں بھی مذکور ہیں۔ وہ کیوں؟ بندہ اس پر سوچیں، ذرا غور کریں، کہ سابقہ جتنی اُمتیں گزر چکی ہیں ان میں سے کسی امت اور قوم کو ساری امتوں سے بہترین ہونے کا خطاب نہیں ملا اور اس امت (امت محمدیہ) کو ملا ہے۔ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہو سکتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہی اُمت انبیاء علیہم السلام والی ذمہ داری (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) نبھائے گی۔

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کسی نبی نے آنا نہیں، حدیث پاک میں آتا ہے کہ:

"انا خاتم النبیین لا نبی بعدی ولا امت بعد کم "

میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور تمھارے بعد کوئی امت نہیں آئے گی۔ لہذا ختم نبوت کے صدقے اس امت (امت محمدیہ) کو نبیوں والا کام مل گیا۔ اس اُمت کا ہر ہر فرد انفرادی طور پر اور ساری امت اجتماعی طور پر اس بات کا مکلف ہے کہ وہ ہر جگہ، ہر وقت اور ہر آن گھڑی بھلائیوں کو پھیلائے گی اور بُرائیوں کو مٹائے گی۔ جس کی بدولت اللہ کے معزز و مکرم ہو کر اونچے درجات پائے گی۔ یہی وجہ ہے جس کے سبب اس امت کو ساری امتوں میں بہترین کا خطاب ملا ہے۔

دعوت و تبلیغ کی ضرورت واہمیت:

دعوت و تبلیغ کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں ا نکار سکتا ہے۔ اس عظیم محنت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو خود دین (اسلام) کی طرف دعوت دینے کے بعد اپنے تمام رسولوں کے سردار اور امام الانبیاءؑ کو بھی واضح اور صاف الفاظ میں فرمادیا کہ تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہو رہا ہے اُسے آگے لوگوں تک پہنچاؤ اگر (خدانخوستہ) تو نے میرے احکامات کو لوگوں تک نہیں پہنچایا تو نے میری رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو کتنے اہتمام کے ساتھ اس کام کو کرنے کی ترغیب دی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے تیئس سالہ تبلیغی سرگرمیوں اور انتھک محنت کے بعد اس دین کو اُمت (صحابہ جو اس وقت آپؐ کے براہ راست شاگرد تھے) تک بحفاظت اور باامانت پہنچادیا۔ بلکہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ جب آپؐ دنیا سے جانے لگے تو آپؐ نے بھی بڑے منظم انداز میں اس عظیم ذمہ داری کو امت تک منتقل کر دیا۔ آخری خطبے خجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کے سامنے بآواز بلند تاکید سے ارشاد فرمایا۔ کہ "پہنچاؤ میری طرف سے اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو"۔

اس روایت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی پورے دین کا پورا پورا علم حاصل کر لے پھر تبلیغ کرے، نہیں ایسا نہیں بلکہ جس آدمی کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے بارے میں ایک بات ہی معلوم کیوں نہ ہو، اس کو چاہیئے کہ اس کی تبلیغ کرے اور آگے پہنچائے۔ دین اسلام اگر زندہ رہے گا تو صرف اسی طریقہ تبلیغ کے ذریعے زندہ رہے گا۔ اگر سارے مسلمان اس کام کو چھوڑ دیں، تو جن لوگوں کو دین کا کچھ نہ کچھ پتہ ہے وہ سارے ایک نہ ایک دن اس دارفانی سے چلے جائیں گے جو نسل بعد میں آنے والی ہے وہ دین سے غافل ہی رہ جائیں گے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ضرورت و اہمیت کا پتہ یوں ہی آسانی کا ساتھ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ رب

العزت نے امت محمدیہ کو بغیر کسی نبی یا رسول کے واسطے کے براہ راست خطاب کیا ہے کہ:"كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون باالمعروف و تنهون عن المنكر ----------"اس امت (محمدیہ) کی قرآن عظیم میں پہلے تعریف بیان کی ہے کہ یہ امت ساری امتوں سے افضل قرار پائی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حدیث آئی ہے کہ یہ اُمت ستر امتوں کو تمام کرنے والی ہے اور یہی امت ساری امتوں سے افضل کیوں ہے۔؟ اس کی وجہ اسی آیت کے اندر خود ہی بتادی ہے کہ یہ اس امت کے افراد لوگوں کو خیر پہنچائے گی اور خیر کیسے پہنچے گی۔ جب لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جائیگا۔ برائیوں سے منع کیا جائے گا پھر لوگوں کو خیر پہنچے گی۔

اللہ پاک کے راستے میں جا جا کر در در اور گھر گھر کی ٹھوکریں کھائیں۔ لوگوں کے عقائد درست کریں۔ اعمال صالحہ کی فکر کریں۔ کلمہ، نماز، روزہ اور زکوٰۃ اور حج جیسے بنیادی ارکان سمیت ختم نبوت کے عقیدے کی دعوت دیں۔ لوگوں کو مساجد، مدارس، خانقاہوں اور مراکز کا راستہ دکھادیں۔ اس سلسلے میں خوب مجاہدہ کریں۔ یہ کام اس اُمت کا طرہ امتیاز ہے۔ اللہ کے راستے میں تکالیف اٹھانے والوں کی تعریف قرآن میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے

"وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ-وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ط"[8]

اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور راستے دکھادیں گے۔

جو لوگ اللہ کے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ پاک ہدایت کے راستے کھول دیتا ہے۔ دنیا میں اس وقت جتنی باطل قوتیں ہیں۔ وہ سب اس وقت بر سر پیکار ہیں۔ اور ان باطل مذاہب جیسے یہودیت، نصرانیت، ہندومت، بدھ مت، آتش پرست اور بت پرست لوگ باقائدہ ایک منظم انداز میں پوری دنیا میں تبلیغ کر رہی ہیں۔ مگر مسلمان خرگوش کے طرز پر گہری نیند کے مزے لے رہے ہیں۔ خدارا اس وقت جاگنے کا وقت ہے۔ اپنے جان، مال اور لگانے کا وقت ہے۔

دعوت الی اللہ تاریخ کے آئینے میں

دعوت وین کی ابتداء ہی انسانیت کی تخلیق کے بعد کی ہے اس لئے دعوت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انسان کی تاریخ پرانی ہے۔ حضرت آدمؑ پہلے انسان ہیں اور پہلے پیغمبر بھی۔ حضرت آدمؑ سے پہلے نہ کوئی انسان تھا اور نہ کوئی پیغمبر۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف اللہ پاک نے انسانوں کا سلسلہ چالو فرمادیا تو دوسری طرف دعوت کا سلسلہ بھی چالو فرمادیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانوں کو راہ راست پر لانے، گمراہیوں سے بچانے، جنت کے راستے پر ڈالنے کے لئے انبیاءؑ کی دعوت کی ضرورت تھی۔ تبھی تو اللہ پاک نے

انسانوں کے سلسلے کے ساتھ نبیوں کے سلسلے کو بھی قائم فرمادیا۔ تاکہ انبیاءؑ لوگوں کو سیدھے راستے پر ڈل دیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تقریبا سوالاکھ انبیاءؑ آئے۔سب نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کی طرف بلایاہے۔ قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھاجائے گااور یہی رسول جن لوگوں کے پاس بھیجے گئے تھے ان لوگوں سے بھی بازپرس ہوگی۔اس سے آسانی کے ساتھ اندازہ لگایاجاسکتاہے۔کہ دعوت کی تاریخ انسانیت کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔

اگر دوسری طرف دیکھا جائے تو اللہ جل جلالہ خود حق دین کے داعی ہیں۔ اللہ پاک نے قرآن میں جگہ جگہ دعوت دی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

"يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً-وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ-اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ"[9]

مومنو اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔ یہاں دین پر چلنے کی اللہ پاک نے خود دعوت دی ہے۔اس کے علاوہ جگہ جگہ دعوت دینے کے نمونے ملتے ہیں۔ مثلا اقیموالصلوۃ، واتوالزکوۃ، افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت، والی السماء کیف رفعت، والی الجبال کیف نصبت، والی الارض کیف سطحت،(القرآن)۔۔۔۔۔وغیرہ وغیرہ مندرجہ بالا آیات سے پتہ چلتاہے کہ اللہ جل جلالہ خود داعی حق ہیں۔جب اللہ کی ذات خود داعی حق بن کر اپنے دین کو اپنے بندوں پر پیش کررہے ہیں۔تواس سے دعوت کی تاریخ کا پتہ چلتاہے۔کیونکہ قرآن کریم کو زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش سے 50ہزار سال پہلے اللہ پاک نے لکھ کر لوح محفوظ پر محفوظ کرلیا تھا۔جب قرآن عظیم میں دعوت کی بیش بہا آیات ملتی ہیں توہم کہ سکتے ہیں کہ دعوت کی تاریخ انسانوں کی پیدائش سے بھی بہت پہلے کی ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فضائل

1۔معروف کامفہوم:

معروف اصل میں معرفت سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں پہچاننا، حقیقت تک پہنچنا، اور یہاں معروف سے مراد یہ ہے کہ جو چیزیں شریعت کے ذریعے پہچانی گئیں ہیں یاجن کی حقیقت تک رسائی حاصل ہوگئی ہے۔اور جن کو شریعت نے اختیار کرنے کا حکم دیاہے۔معروف اپنے اندر بہت زیادہ وسعت رکھتاہے۔لفظ معروف میں تمام پسندیدہ امور شامل ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا، اللہ پاک کی اطاعت کرنا، اللہ کا قرب حاصل کرنا، اورلوگوں سے حسن معاشرت قائم کرنا۔

شریعت اسلامی کی تمام پاکیزہ اور پسندیدہ باتوں اور کاموں کو اپنا اور تمام قسم کے ممنوعات شرعیہ سے

بچنا۔ معروف کا لفظ لوگوں کے درمیان ایسا معروف و مشہور ہو گیا ہے۔ کہ جب لوگ ایسے پسندیدہ کام اور معروف بات کو دیکھتے ہیں۔ تو پھر ان کا انکار نہیں کرتے۔ معروف کبھی زبانی ہوتی ہے، کبھی عملی ہوتی ہے اور کبھی قولی و فعلی دونوں طریقوں سے ہوتی ہے۔ معروفات صفات غالبہ کا نام ہے۔

2۔ منکر کا مفہوم:

یہ معروف کی تعریف میں شامل تمام امور کی ضد ہے۔ یہ وہ تمام امور ہیں، جن سے شریعت مطہرہ نے باز رہنے کو کہا ہے۔ اس میں ہر وہ ناپسندیدہ بات شامل ہے۔ جس کی شریعت نے برائی بیان کی ہو۔ اور اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہو، یا اسے حرام قرار دیا ہو۔ ایسی تمام منکرات سے کبھی تو قول کے ذریعے سے منع کیا ہوا ہوتا ہے اور کبھی فعل کے ذریعے سے یا کبھی دونوں طریقے سے۔ منکرات مفاسد غالبہ کا نام ہے۔

3۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم:

امر بالمعروف (یعنی نیکیوں کی طرف بلانا) اور نہی عن المنکر (یعنی برائیوں سے منع کرنا) شریعت مطہرہ کی ایک اہم اور خاص اصطلاح ہے۔ جس سے پہلو تہی کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی صورت برداشت نہیں ہے۔ ایمان کے کل ستتر شعبے ہیں۔ شعب الایمان میں علامہ علاؤالدینؒ نے لکھا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ایمان کا باونواں شعبہ ہے۔[10] امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے بندہ محبوب بن جاتا ہے۔ اسے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جنت میں درجات عالیہ کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح اور بھی اس قسم کے فضائل بندے کو ملتے ہیں۔ اللہ کے راستے میں اعمال صالحہ کا اجر و ثواب کروڑوں گنا بڑھ جاتا ہے۔ اسی فریضے کی بدولت اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہی کام دین کی بقاء کا ضامن ہے۔ جتنا جتنا لوگ اپنی آنے والی نسلوں میں دین پہنچاتے رہیں گے۔ تب تک دین باقی رہے گا۔ اللہ کا نام چلے گا۔ ان سب کا اجر و ثواب اس اہم فریضے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام نبھانے والوں کو ملتا رہے گا۔ مگر واضح رہے کہ یہ کوئی نفلی کام تو ہے نہیں۔ اس اہم فریضے سے چشم پوشی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار کا موجب ہوتی ہے۔ اس اہم فریضے سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کا عذاب دنیا میں بھی آتا ہے۔ آخرت میں ان کا وبال الگ ہو گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ سے پوچھا کہ یارسول اللہؐ اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب لوگوں پر نازل ہوتا ہو اور وہاں کچھ دین دار لوگ بھی ہوں تو کیا ان کو بھی اثر پہنچے گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں دنیا میں سب کو اثر پہنچے گا مگر آخرت میں یہ لوگ گناہگاروں سے الگ ہونگے۔ اب غور کریں دنیا میں گناہگاروں کی وجہ سے نیک لوگوں کو سزا کیوں ملتی ہے؟ اس لئے کہ خباثت غالب آجاتی ہے۔ خباثت تب غالب آتی ہے جب اس اہم اور عظیم مقصد (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کو لوگ

بالائے طاق رکھ کر چشم پوشی کریں۔

حضورؐ نے اس بات کو ایک بہترین مثال سے سمجھائی ہے۔ فرمایا کہ اگر ایک بحری جہاز میں دو منزلیں ہوں کچھ لوگ اوپر کے منزل میں ہوں۔ کچھ لوگ نیچے کے منزل میں ہوں۔ دونوں منزلوں کا تقرر قرعہ سے ہوا ہو۔ سمندر میں سفر کرتے ہوئے اگر نیچے طبق میں سفر کرنے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اوپر والوں سے پانی لیتے ہیں۔ اسی اثناء میں اگر نیچے والے یہ سوچیں کہ ہمارے بار بار اوپر جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہم یہاں نیچے ایک سوراخ کھول لیتے ہیں یہاں سے آسانی کے ساتھ پانی پی لیتے ہیں۔ اوپر والے ڈسٹرب نہیں ہونگے۔ اگر اوپر والے نیچے طبق میں رہنے والے ان بے وقوفوں کے اس تجویز کو نہیں روکیں گے اور سوچیں گے کہ یہ لوگ جانیں اور ان کا کام۔ تو پھر ایسی صورت میں سوراخ کرنے سے پانی اندر آجائے گا۔ نیچے اور اوپر والے دونوں فریق ڈوب کر غرق ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ نے سمجھایا کہ دنیا میں گناہ کرنے والے لوگ ہی ایسا کرتے ہیں۔ اگر دین دار لوگ یہ سوچیں کہ یہ لوگ جانیں اور ان کا کام۔ ان کی اپنی قبر ہے اور ہماری اپنی قبر تو پھر ایسی حالت میں خباثت کے غالب آنے پر اللہ جل شانہ کی طرف سے دنیا میں عذاب آئے گا تو پھر گناہ گاروں کے ساتھ نیک اور دین دار لوگوں کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ امت کا ہر ہر فرد اس اہم اور عظیم مقصد کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھے۔ اور اللہ کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ کر جان، مال اور وقت کی قربانی دیں۔ تا کہ کل کو اللہ کے دربار میں جب پیش ہوں۔ تو سرکرو ہو کر اٹھیں گے نہ کہ نادم ہو کر۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(رُسُل مُبشرین و مُنذرین لئلایکون للناس علی اللہ حُجۃ بعد الرُسُل) ط[11]

سب پیغمبروں کو اللہ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا۔ تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ پاک نے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ بھیجے ہیں۔ ایک روایت میں دو لاکھ کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان سب نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ پاک کی اطاعت کرنے اور دین اسلام پر چلنے کے بدلے جنت کی بشارتیں سنائیں ہیں جبکہ اللہ اور ان کے رسولوں کی نافرمانی کے بدلے جہنم سے ڈرایا بھی ہے۔ اللہ پاک سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے لیکن پھر بھی اللہ پاک نے انسانوں کے الزام کا راستہ بند کر دیا ہے۔ تا کہ کوئی قیامت کے دن یہ الزام نہ لگائے کہ ہمیں سمجھانے والا کوئی نہ تھا۔ تفسیر ذخیرۃ الجنان میں لکھا ہے کہ:

"اگر پیغمبر تشریف نہ لاتے تو لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں تو معلوم نہ تھا کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے اور جائز

اور ناجائز کا پتہ نہ ہوتا۔ مگر اللہ پاک نے ان کا بہانہ ہی ختم کر دیا۔"[12]

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم انکار کرے گی کہ یا اللہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا تھا پھر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ حضرت نوحؑ سے پوچھیں گے کہ کیا تو نے ان کو ہم سے ڈرایا نہیں تھا تو وہ کہیں گے کہ اللہ کی پناہ۔ میں نے ان کو ڈرایا تھا۔ اور پھر کہیں گے کہ حضرت محمد ﷺ کی امت میری گواہ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو بلائیں گے اور پوچھیں گے ۔ امت محمدیہ کے لوگ حضرت نوحؑ کے حق میں گواہی دیں گے۔ اس پر حضرت نوحؑ کی قوم کہے گی کہ یہ لوگ تو اس وقت تھے ہی نہیں۔ اس پر اللہ پاک امت محمدیہ سے وضاحت طلب کریں گے۔ جس کے جواب میں امت محمدیہ کے لوگ کہیں گے کہ یا اللہ ہم نہیں جانتے تھے۔ تیرے محبوب نے ہمیں آپ کی خبر دی ہم نے ایمان لایا۔ جنت اور دوزخ کی خبر دی ہم نے ایمان لایا۔ تیرے محبوب پر قرآن اُترا اس میں ہم نے دیکھا کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم والوں کو نو سو پچاس سال تک ڈرایا، سمجھایا اور دعوت دے کر اللہ کی طرف بلایا مگر یہ لوگ سرکشی کرتے رہے۔ امت محمدیہ کی اسی گواہی پر ہمارے پیارے نبیؐ گواہی دیں کہ میری امت سچی ہے اور میری امت کی گواہی بھی سچی ہے۔ یہی مفہوم ہے قرآن کی اس آیت کا (وَ كَذالِكَ جَعَلْناكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَداءَ عَلَى النّاسِ وَ يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهيداً)۔ اور اسی طرح (وَ يَوْمَ يُنادِيهِمْ فَيَقُولُ ما ذا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ)[13]

اور جس روز اللہ ان کو پکارے گا اور کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا۔

جس دن اللہ کے سارے انسانوں کی پیشی ہوگی اس روز سارے انسانوں سے اللہ باز پُرس کریں گے کہ تمھارے پاس تو پیغبر بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے تمھیں میری طرف بلایا تھا، سمجھایا تھا پھر تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے۔ ہم ان سے بھی باز پُرس کرینگے۔ اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے۔[14]

سورۃ اعراف آیت 6 میں اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت سے فرمادیا کہ یہ نہیں ہے کہ صرف اُمتوں سے پوچھ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے تو پوچھ ضرور ہوگی بلکہ ان سے بھی پوچھ ہوگی جن (انبیاءؑ) کو ان کے پاس بھیجا گیا تھا۔

یہی قانون شریعت ہے کہ اللہ جل شانہٗ اُس وقت تک کسی امت یا کسی انسان کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان کے پاس سمجھانے اور دعوت دینے والا نہ بھیجا ہو۔ یعنی نبیوں کی دعوت دینے کے بعد جو لوگ ان نبیوں کی دعوت کو ٹھکراتے ہیں پھر اللہ پاک ان سب کا صفایا کر دیتے ہیں۔

(يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ط[15]

اے پیغمبر ؐ ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت میں اللہ پاک نے محمد ؐ کی پانچ صفات کا ذکر کیا۔ یعنی حضرت محمد ؐ گواہ بھی ہیں جس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔ آپ بشیر اور نذیر بھی ہیں ور روشن چراغ بھی۔ چراغ اس لئے ارشاد فرمایا کیونکہ چراغ سے دوسرے چراغ بھی روشنی لے سکتے ہیں۔ آپؐ کے دل کے نور سے سوا لاکھ صحابہ رضی اللہ عنھم کے دل منور ہوئے یہی مطلب ہے چراغ کا۔ سورج اس لئے نہیں کہا کیونکہ سورج سے کوئی روشنی اپنی مرضی سے نہیں لے سکتا۔ وداعیا الی اللہ باذنہ---------کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے اس طرح کی ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے داعی الی اللہ والی صفت کے ساتھ باذنہ یعنی اللہ کے اذن واجازت کی شرط اس لئے لگائی کیونکہ یہ دعوت و تبلیغ والا کام بہت سخت ہے۔ یہ اللہ پاک کے اذن واجازت اور مدد و نصرت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔"[16]

اللہ پاک کے اس انداز سے پتہ چلتا ہے کہ دعوت دین کتنا اہم اور ضروری کام ہے۔ لہذا ختم نبوت کے صدقے جو ذمہ داری اس امت محمدیہ کو ملی اور اس امت کا ہر ہر فرد اس عظیم کام کا ذمہ دار ہے لہذا ہر ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہئے تا کہ بے دینی اور منکرات کی روک تھام ہو اور معروفات کی فضا بنے۔

دعوت دینے میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ میری دعوت سے لوگ کم از کم دین کے قریب آرہے ہیں، میری دعوت سے اثر لے رہے ہیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ فائدہ تب پہنچے گا جب دعوت نبوی اُصولوں کے ساتھ دی جائے گی مثلا دعوت دینے میں حکمت و بصیرت ہو، نرمی ہو، خیر خواہی ہو، اخلاص ہو اور مناظرہ ہو تو بھی اچھے طریقے سے ہو۔ تب لوگوں کو فائدہ ہو گا ورنہ اگر ان اُصولوں کو خیال نہیں رکھا گیا پھر فائدے کے بجائے نقصان کا اندیشہ ہے اور لوگ قریب آنے کے بجائے دور ہو جائینگے۔ ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلے گی۔ لہذا ہم سب کو اس محنت کے کرتے ہوئے پیغمبرانہ اصولوں کو بھی اپنانا چاہئیے۔

نبی علیہ السلام کے دل میں امت کا غم اور درد تھا۔ اس لئے وہ جب بھی کوئی منکر (بری بات) دیکھتا تو آپ کا دل دکھتا، پھر آپ سے صبر نہیں ہو سکتا تھا جب تک کے اس منکر کو جڑ سے ختم نہ کر دیتا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ لوگوں کا فائدہ ہو اس لئے آپؐ کا معمول تھا کہ کسی کے اچھے کام پر اسے جنت کی خوشخبری ضرور دیتا تا کہ وہ خوش ہو جائے اور آئندہ کے لئے اس کو معمول بنالے اور جب کوئی منکر کرتے ہوئے دیکھتا تو آپؐ اسے جہنم سے ضرور ڈراتے تا کہ وہ آئندہ کے لئے وہ غلط کام دوبارہ نہ کرلے۔ تبھی تو اللہ پاک نے آپؐ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیج دیا۔ مگر لوگ جانتے نہیں۔

دعوت کا کام اتنا عظیم کام ہے کہ اللہ رب العزت نے بھی کیا۔ قرآن اٹھا کر دیکھ لیں۔ جگہ جگہ اللہ رب العزت نے دعوت دی ہے۔ کبھی نماز کی دعوت دی ہے اور کبھی روزے اور زکوۃ کی دعوت دی ہے۔ کبھی حج اور کبھی تقویٰ کی دعوت اور کبھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت نے بھی دعوت الی اللہ کا کام کیا ہے اور اللہ داعی اعظم ہیں۔ آگے ایک اور آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"واللہ یدعو الیٰ دارالسلام ط ویھدی من ایشآء الیٰ صراط مستقیم"[17]

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اللہ جل شانہ میزبان ہیں اور اس کے سارے بندے مہمان ہیں۔ جنت اللہ پاک کا مہمان خانہ ہے کیونکہ جنت کے لئے قرآن میں "نزلا" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ "نزلا" مہمان خانے کو کہتے ہیں۔ اب اس مہمان خانے کی دعوت اللہ تعالیٰ لوگوں کو دے رہے ہیں لہذا آپ داعی اعظم ہیں۔

انسانی فطرت یہ ہے کہ انسان کو جس کام کے کرنے کے لئے انعام واکرام کا طمع دیا جائے۔ وہ کام انسان ذوق و شوق سے کرتا ہے۔ انسانوں کی اسی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول نے بھی بندگان خدا کو بیش بہا اجر و ثواب کی قسما قسم نویدیں اور خوشخبریاں سنا کر ان میں اعمال صالحہ کو بجالانے کے لئے رغبت پیدا کی ہے۔ یقیناً یہ انداز نہ صرف بہت زیادہ اثر کرتا ہے بلکہ مخلوق خدا کا اپنے پروردگار سے تعلق جوڑنے میں بھی زیادہ مؤثر ہے۔ اس طرح انسان بڑی محبت اور شوق کے ساتھ اپنے خالق حقیقی کو راضی کرنے والے اعمال کا اہتمام کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کی نیاز مندی کو دیکھ کر اپنی رحمتوں، عطاؤں اور مغفرتوں کے دہانے کھولتا ہے اور انسان کے گمان سے بڑھ کر اسے نوزتا رہتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ:

"حضرت ابو عبس عبد الرحمٰن ب جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کے پاؤں اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہوں اور پھر اسے جہنم کی آگ چھوئے۔[18]

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ: "وعن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول نضر اللہ امر سمع منا شیئا فبلغہ کما سمہ فرب مبلغ اوعیٰ لہ من سامع "[19]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے راستے میں کچھ مال خرچ کیا اور خود گھر میں رہا۔ اس کو ہر درھم کے بدلے سات سو درھم کے برابر ثواب ملے گا۔ اور جو خود اللہ کے راستے میں گیا اور مال بھی خرچ کیا اس کو ہر ایک درھم کے بدلے سات لاکھ کا ثواب ملے گا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ " واللہ یضاعف لمن یشاء""[20]

مفہوم یہ ہے کہ ایک آدمی خود تو نہیں گیا مگر کوئی دوسرا آدمی اللہ کے راستے میں جارہا ہو، اسکے ساتھ مالی مدد کی۔ مثلاً کوئی حج کو جارہا ہے، کوئی طالب علم ہے، علم دین سیکھنے کے لئے سفر پر جارہا ہے، کوئی جہاد کو جارہا ہے یا کوئی دین سیکھنے کی غرض سے تبلیغ میں جارہا ہے۔ ایسے آدمی کو پیسے دیئے، اس کا مالی بوجھ برداشت کیا وہ غریب بندہ تھا۔ اس نے آگے کسی شعبے میں جاکر دین کی خدمت کی۔ اس کو مالی لحاظ سے سپورٹ کرنے پر پیسے دینے والے آدمی کو ہر ہر درھم (روپے) کا بدلہ سات سو درھم (روپے) کے طور پر ملے گا

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ: "ان الصلوۃ و الصیام والذکر تُضاعف علی النفقۃ فی سبیل اللہ بسبع مائۃ ضعف "[21]

پچھلے حدیث شریف میں صرف مال خرچ کرنے کا اجر بتایا گیا تھا جو سات لاکھ تک بتایا گیا تھا اور اسی حدیث شریف میں اللہ کے راستے میں بدنی اعمال کا اجر بتایا گیا ہے، جو مال کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں نماز، روزے اور ذکر کی بات بیان ہوئی ہے۔ یہ تمام بدنی اعمال ہیں۔ ان بدنی اعمال کا اجر مالی عبادت کے مقابلے میں سات سو گنا مزید بڑھا کر بتایا گیا ہے۔

ہماری ذمہ داریاں

دین اسلام نے زندگی گزارنے کے اصول متعین کر دئے ہیں اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کا دائرہ اختیار بھی واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اس لئے ہر بندہ اس حد تک مکلف ہے جو اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل علم کی ذمہ داری دوسروں کو علم کے نور سے بہرہ ور کرنا ہے۔

علماء کی عدم توجہی

اس وقت اگر بنظر دقیق دیکھا جائے تو بلاد اسلام کی کسی بھی ریاست میں اہل علم کی کمی نہیں ہے لیکن اگر کسی حد تک کمی ہے تو اہل علم کا اپنے فرائض کو جامعیت کے ساتھ ادا نہ کرنے کی ہے۔ بہت سارے اہل علم نے صرف تدریس کو ہی کافی وشافی سمجھا ہے جبکہ بعض نے تو صرف خطبات اور امامت کو ہی کافی اور اصل سمجھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم کا کام کسی ایک شعبہ پر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کی کوشش اور جودجہد ہمہ وقت ہونی چاہئے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ عوام کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے دعوت وتبلیغ کے کام کو کرنا بھی اپنی ذمہ داری سمجھ کرنے کی صورت میں دعوت کے کام میں تقویت کا باعث بنے گا۔

اہل حکومت کی لاپرواہی

بحثیت مسلمان ہر شخص کی بنیادی ذمہ داریوں میں دین اسلام کی ترویج بھی شامل ہے۔ جبکہ دعوت والے کام میں حکومتی افراد کی شرکت اس کام کی تاثیر میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس

بات کی ہے کہ دعوت والے کام کو حکومتی سرپرستی میں انجام دیا جانا چاہئے تاکہ اللہ کے دین کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

عوام کا مال و دولت اور اغیار کے طریقوں سے بے پناہ محبت

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کے اس پر فتن اور ٹیکنالوجی کے دور میں بہت سارے مسلمان بھی اپنی اصلیت اور حقیقت کو بھول گئے ہیں کہ ہم تو آپ ﷺ کے امتی ہیں ہمارا کام تو رسول اللہ ﷺ کی دین کی اشاعت اور اطاعت کرنا ہے نہ کہ دنیاوی چیزوں سے اور اسی طرح اغیار کے طور طریقوں سے محبت کرنا ہے۔ آج کا نوجوان نسل اس سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کی وجہ سے دین سے دور ہوتا جارہا ہے۔

خلاصہ کلام

اللہ تعالی نے انسانیت کی فلاح کے لئے نبیوں کا ایک طویل سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا حضرت محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ تمام انبیاء کی دعوت کا بنیادی مقصد اللہ کے مخلوق کو اللہ کی عبادت اور عبودیت پر لانا اور اللہ سے تعلق جوڑنا ہے۔ اب نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور انبیاء کرام کا کام اللہ نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی امت کو سپرد کیا ہے اس لئے اب امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ والے کام کو اگلی نسلوں تک لے کر جائیں گے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس وقت ایک مختصر جماعت ہی اس فرض منصبی کو سرانجام دے رہی ہے جس میں اکثریت عام لوگوں کی ہے جس کے پاس علم کی کمی بھی ہے لیکن جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اللہ کے بندوں تک پہنچانے کی دن رات کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے امت مسلمہ کے صاحب علم اور اہل حکومت کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بھی اس دعوت والے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اگر غور و فکر کیا جائے تو اللہ تعالی دراصل اپنے بندوں کو نوازنے کے لئے صرف بہانے ڈھونڈتا ہے۔ مگر کوئی لینے والا تو ہو۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل لوگوں میں اور خاص کر نوجوانوں میں دین کی بے رغبتی اور لاپرواہی اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اکثر کی تو پانچ وقت نماز پڑھنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی۔ مال و دولت کی محبت نے سب کو گھیر لیا ہے اس لئے دین اسلام سے دن بدن دوری دیکھنے میں آرہی ہے اور فحاشی اور برائیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

المصادر والمراجع

[1] ۔ شفیع، محمد، مفتی، مولانا،، معارف القرآن، جلد ہشتم، ص، 61، مکتبہ دار العلوم، کراچی۔

[22]۔ سورۃ الذاریات:56

[3] ۔ الشیخ ربیع ہادی المدخلی، انبیاء کا اسلوب دعوت،، ترجمہ محمد انور، محمد قاسم سلفی، ص26

[4] ۔ سورۃ یونس:25

[5] سورہ یوسف، آیت، 108۔

[6] ۔ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، جلد 1، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل

[7] ۔ آل عمران:110

[8] ۔ العنکبوت:69

[9] سورہ بقرۃ آیت، 208۔

[10] علامہ علاؤالدین، شعب الایمان، 6/86۔

[11] ۔ سورۃ النساء:165

[12] ۔ صفدر، محمد، سرفراز خان، تفسیر ذخیرۃ الجنان، جلد چہارم، ص338

[13] ۔ سورۃ القصص:65

[14] ۔ الاعراف:6

۔ الاحزاب:45، 46[15]

[16] ۔ شفیع، محمد، مفتی، مولانا، تفسیر معارف القرآن، جلد ہفتم، ص177

[17] ۔ سورہ یونس25

[18] ۔ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، جلد دوم، کتاب الجہاد والسیر، باب من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ مترجم ناصر الدین، محمد المدنی، ص162، حدیث2811

[19] ۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، مترجم محمد ندیم، مولانا، راؤ، جلد اول، کتاب العلم، ص858

[20] ۔ امام محمد بن یزید، ابن ماجہ، قزوینی، سنن ابن ماجہ، عربی اردو، ترجمہ، اختر، عبدالحکیم خان، مولانا، جلد دوم، باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ، ابواب الجہاد فی سبیل اللہ، ص163، 164 حدیث537

[21] ۔ امام ابی داؤد، سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، مترجم مولانا خورشید حسن قاسمی، نظر ثانی خافظ محبوب احمد خان، جلد دوم، کتاب الجہاد، باب فی تضعیف الذکر فی سبیل اللہ تعالیٰ، ص333، حدیث726